قبل از اسلام مشرکین عرب کا خاندانی نظام

Family System of Pre- Islamic Polytheist Arabs

Ghulam Abbas
Ph.D Scholar Islamic Studies, Department of Islamic Studies & Arabic
Gomal University Dera Ismail Khan, KPK, Pakistan
Email: gamudassir@gmail.com
Muhammad Irfan
Ph.D Scholar Plant Breeding and Genitics,
Department of Plant Breeding and Genitics faculty of Agricultural Sciences
Ghazi University Dera Ghazi Khan, Punjab, Pakistan
Email: irfankhan2606@gmail.com
Dr. Muhammad Shuaib Gangohee
Lecturer Department of Islamic Studies & Arabic
Gomal University Dera Ismail Khan, KPK, Pakistan
Email: m.shuaibgangohee@gmail.com

Abstract
Before Islam, the family was based on mistreatment and oppression. All affairs were controlled only by men or in other words, the males, and women and girls were oppressed and humiliated. Women had no status of any kind other than as sex objects. The number of women a man could marry was not fixed. When a man died, his son “inherited” all his wives except his own mother. A savage custom of the Arabs was to bury their female infants alive. Even if an Arab did not wish to bury his daughter alive, he still had to uphold this “honorable” tradition, being unable to resist social pressures. Men were the only ones who could inherit; women and children had no share. They viewed women, whether they were mothers, daughters or sisters, as a source of Shame because they could be taken as prisoners, thus bringing shame upon the family. Hence a man would bury his infant daughter alive. The family in the broader sense, i.e., the tribe, was based on supporting one another in all things, even in wrongdoing.
Keywords: Family, Marry, Bury, Inherited, Tradition, Social pressures, Tribe, Wrongdoing

ظہور اسلام سے پہلے جزیرہ نما عرب میں مشرکین عرب کے ہاں سگے بھائیوں، چچازاد بھائیوں اور خاندان و قبیلے کے لوگوں کے باہمی تعلقات خاصے پختہ اور مضبوط تھے۔ کیوں کہ عرب کے لوگ قبائلی عصبیت ہی کے سہارے جیتے اور اسی کے لیے مرتے تھے۔ قبیلے کے اندر باہمی تعاون اور اجتماعیت کی روح پوری طرح کار فرما ہوتی تھی۔ اصل میں قومی عصبیت اور قرابت داری کا تعلق ہی ان کے اجتماعی نظام کی بنیاد تھا۔ قبیلے کا ستون خاندان تھا اور

مرد خاندان کا ستون، اس کا سربراہ اور اس کے نسب کا مالک تھا۔ خاندان کے افراد کے درمیان سماجی تعلق اس کے ارکان کے درمیان قریبی یکجہتی پر مبنی تھا۔ عرب معاشرے میں رشتے سلسلہ وار یکجہتی پر مبنی ہوتے تھے۔ وہ لوگ اس مثل پر اس کے لفظی معنی کے مطابق عمل پیرا تھے کہ:

انصر اخاک ظالمًا او مظلوما[1]

"اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم"

البتہ شرف و سرداری میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا جذبہ بہت سی دفعہ ایک ہی شخص سے وجود میں آنے والے قبائل کے درمیان جنگ کا سبب بن جایا کرتا تھا۔ جیسا کہ اَوس و خزرج، عَبْس و ذُبیَان اور بکر و تغْلب وغیرہ کے واقعات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

قبل از اسلام مشرکین عرب میں نکاح کی اقسام

عرب آبادی مختلف طبقات پر مشتمل تھی۔ ہر طبقے کے حالات ایک دوسرے سے بہت زیادہ مختلف تھے۔ تمام طبقوں میں مرد کو خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا۔ اس کی بات حرف آخر ہوا کرتی تھی۔ مرد اور عورت کا تعلق عقد نکاح کے ذریعے ہوتا تھا۔ عورت مرد کی ولایت کے بغیر نکاح نہیں کر سکتی تھی۔ عام طور پر عرب خاندان باہمی روابط بڑھانے، افزائش نسل اور جنگ کے لیے افرادی قوت کے حصول کے لیے نکاح کیا کرتے تھے۔ اس کے برعکس قبل از اسلام نکاح کے لیے ایسے متعدد طریقوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے کہ جن سے معاشرے میں بے حیائی کو تقویت حاصل ہوئی۔ عہدِ جاہلیت کے نکاح کی مروجہ صورتوں کو حضرت عائشہؓ یوں بیان فرماتی ہیں:

"زمانہ جاہلیت میں نکاح چار طرح ہوتے تھے۔ ایک صورت تو یہی تھی جیسے آج کل لوگ کرتے ہیں، ایک شخص دوسرے شخص کے پاس اس کی زیر پرورش لڑکی یا اس کی بیٹی کے نکاح کا پیغام بھیجتا اور اس کا مہر دے کر اس سے نکاح کرتا۔ دوسرا نکاح یہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے جب وہ حیض سے پاک ہو جاتی تو کہتا تو فلاں شخص کے پاس چلی جا اور اس سے صحبت کر لے۔ اس مدت میں شوہر اس سے جدا رہتا اور اسے چھوتا بھی نہیں۔ پھر جب اس غیر مرد سے اس کا حمل ظاہر ہو جاتا جس سے وہ عارضی طور پر صحبت کرتی رہی تو حمل کے ظاہر ہونے کے بعد اس کا شوہر اگر چاہتا تو اس سے صحبت کرتا۔ ایسا اس لیے کرتے تھے تاکہ ان کا لڑکا شریف اور عمدہ پیدا ہو۔ یہ نکاح "استبضاع" کہلاتا

تھا۔ تیسری قسم نکاح کی یہ تھی کہ چند آدمی جو تعداد میں دس سے کم ہوتے کسی ایک عورت کے پاس آنا جانا رکھتے اور اس سے صحبت کرتے۔ پھر جب عورت حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو وضع حمل پر چند دن گزرنے کے بعد وہ عورت اپنے ان تمام مردوں کو بلاتی۔ اس موقع پر ان میں سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ وہ سب اس عورت کے پاس جمع ہو جاتے اور وہ ان سے کہتی کہ جو تمہارا معاملہ تھا وہ تمہیں معلوم ہے اور اب میں نے یہ بچہ جنا ہے۔ پھر وہ کہتی کہ اے فلاں! یہ بچہ تمہارا ہے۔ وہ جس کا چاہتی نام لے دیتی اور وہ لڑکا اسی کا سمجھا جاتا۔ وہ شخص اس سے انکار کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ چوتھا نکاح اس طور پر تھا کہ بہت سے لوگ کسی عورت کے پاس آیا جایا کرتے تھے۔ عورت اپنے پاس کسی بھی آنے والے کو روکتی نہیں تھی۔ یہ کسبیاں ہوتی تھیں۔ اس طرح کی عورتیں اپنے دروازوں پر جھنڈے لگائے رہتی تھیں جو نشانی سمجھے جاتے تھے۔ جو بھی چاہتا ان کے پاس جاتا۔ اس طرح کی عورت جب حاملہ ہوتی اور بچہ جنتی تو اس کے پاس آنے جانے والے جمع ہوتے اور کسی قیافہ جاننے والے کو بلاتے اور بچہ کا ناک نقشہ جس سے ملتا جلتا ہوتا اس عورت کے اس لڑکے کو اسی کے ساتھ منسوب کر دیتے اور وہ بچہ اس کا بیٹا کہلاتا۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرتا تھا۔"[2]

رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے دنیا میں تصورات تہذیب اور آداب معاشرت بالکل ختم ہو چکے تھے۔ عرب کی سرزمین کی حالت دنیا کے دوسرے خطوں کی نسبت زیادہ خراب تھی۔ جاہلیت اور نفس پرستی کی وجہ سے ان کی اخلاقی حالت بہت زیادہ ناگفتہ بہ تھی۔ والد کی وفات کے بعد دوسری چیزوں کی طرح اپنی سوتیلی ماؤں کو بھی آپس میں بانٹ لینا اور بیویاں بنا کر رکھنا یا بیچ دینا عام تھا۔ بطور میراث مرحوم والد کی زوجہ اس کے بڑے بیٹے کے مِلک نکاح میں آجاتی۔ اور اگر بڑے بیٹے کے علاوہ کوئی اور بھائی اس سے شادی کرنا چاہتا تو وہ مہر جدید کے ذریعہ نکاح کرتا۔ اس قسم کے نکاح کو "زواج المقت یا زواج الضیزن" کہا جاتا تھا۔[3]

ظہور اسلام سے پہلے مشرکین عرب میں نکاح متعہ کا رواج بھی تھا جو بعد از اسلام بھی جاری رہا لیکن بعد میں اسے حرام قرار دیا گیا۔ نکاح متعہ میں زوجین ایک مخصوص مدت کے لیے نکاح کرتے تھے اور تکمیل مدت پر نکاح ختم ہو جاتا تھا۔ اس کے علاوہ نکاح کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ ایک شخص کسی دوسرے آدمی سے کہتا کہ تم میرے لیے اپنی زوجہ کو چھوڑ دو تو عورت کا شوہر کہتا کہ میں نے تیرے لیے اپنی زوجہ چھوڑ دی۔ اس طرح پہلا شخص

دوسرے آدمی کی زوجہ کا خاوند ہو جاتا بغیر مہر کے۔ ایسے ازدواجیت کے تعلق کو نکاحِ بدل کہا جاتا تھا۔[4] قبضہ میں آنے والی دشمن کی عورتوں سے نکاح کے لیے لڑکی یا دولہا کی رضامندی کی ضرورت نہیں تھی۔ پھر لونڈیوں کا نکاح جو اس عورت کو خرید کر کیا جاتا تھا۔ جس سے وہ عورت اور اس کے بچے ملکیت بن جاتے۔ عرب میں عارضی شادی کا بھی رواج تھا۔ یہ شادی مرد اور غیر کنواری عورت کے درمیان ذاتی معاہدے کے ذریعے ایک مخصوص مدت کے لیے کی جاتی تھی۔ جیسے ہی ان کے درمیان تعلقات ختم ہوتے تو یہ شادی بھی ختم ہو جاتی تھی۔[5] زمانہ جاہلیت میں شادی کی جو قسمیں مشہور تھیں ان میں سے ایک شغار کی شادی تھی جس میں دو مرد اس بات پر متفق ہو جاتے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی رشتہ دار سے شادی کرے گا جو اس پر ولایت کا حق رکھتا ہے۔ جیسے بہن یا بیٹی، اور یہ شادی بغیر جہیز کے ہوتی تھی۔ اس میں خواتین کی آزادی اور حقوق کے احترام کی کمی شامل تھی۔ لیکن یہ بہت عام نہیں تھی۔[6]

شادی کی شرائط جہیز

قبل از اسلام شرفاء عرب تقریباً دینِ ابراہیمیؑ کی تعلیمات کے مطابق نکاح وشادی کیا کرتے تھے۔ یہ نکاح عورت کے اولیاء کی زیر نگرانی انجام پاتا تھا۔ باقاعدہ رشتہ مانگا جاتا، مہر مقرر کی جاتی، خطبہ نکاح پڑھا جاتا اور گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کے بعد خانگی زندگی کی ابتداء ہوتی تھی۔[7]

قبل از اسلام عرب میں خاندان کی بنیاد ایک معاہدے اور ایک مخصوص جہیز کے ساتھ شادی پر تھی۔ جسے شوہر نے لڑکی کے سرپرستوں کی رضامندی اور بعض صورتوں میں اس کی رضامندی کے بعد ادا کرنا ہوتا تھا۔ اسی کو جہیز کی شادی یا شادی بیاہ کہا جاتا تھا۔ بعض والدین جہیز کی رقم میں بہت زیادہ مبالغہ آرائی کرتے تھے۔ نکاح شغار میں جہیز نہیں دیا جاتا تھا۔ اور دشمن کی عورتیں جو میدان جنگ میں قبضہ میں آتیں تو وہ بھی بغیر جہیز کے بیاہی جاتی تھیں۔[8]

حق مہر

زمانہ جاہلیت میں بھی نکاح کے وقت عورتوں کے لیے مہر مقرر کیے جانے کا رواج تھا۔ تاریخ ابن خلدون میں حضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہ کے نکاح کے وقت کا جو خطبہ درج ہے اس میں مہر معجّل اور مہر موَجل کا ذکر موجود ہے۔[9] اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ میں حضرت خدیجہ کا مہر بارہ اوقیہ مذکور ہے۔[10] یہ مہر بہت کم عورتوں کو ملتا تھا۔ اکثر دلہن کے ورثا اس پر قبضہ کر لیتے تھے یا پھر شوہر والوں کے طرف سے ادا ہی نہیں کیا جاتا تھا۔ حافظ ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ جاہلیت میں آدمی اپنی بیٹی کا بیاہ کرا دیتا تو اس کے مہر پر خود قبضہ کر لیتا تھا۔ ظہور اسلام کے بعد سورہ النساء کی آیت چار کے حکم کے ذریعے اسے ختم کر دیا گیا۔[11]

ولیمہ

عرب میں قبل از اسلام نکاح کی باقاعدہ صورت بہت ہی قلیل تھی۔ایسے نکاح کی صورت میں ولیمہ بھی کیا جاتا تھا۔ جس میں دولہا کے عزیز و اقارب اور سسرال والے مدعو ہوتے تھے۔اس کی مثال آپ ﷺ کے جد امجد ہاشم بن عبد مناف کا بوقت نکاح دعوت ولیمہ ہے۔[12]

حسب نسب کی حفاظت

عرب اپنی بیٹیوں کی شادی غیر عربوں سے نہیں کرتے تھے۔ بدو لڑکیاں شہری علاقوں میں شادی کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔عرب اپنی بیویوں کا خیال رکھتا تھا اور اپنی عزت کو جان، مال اور اولاد سے زیادہ قیمتی سمجھتا تھا۔ اس لیے مرد اپنی عورتوں کے ساتھ جنگ میں جاتے اور انہیں فوج کے عقب میں ڈال دیتے تھے تاکہ جنگ جو کو احساس ہو کہ اس کی شکست سے اس کی عزت دشمن کے ہاتھ لگ جائے گی۔ اس لیے وہ اپنی عورتوں کو قید سے بچانے کے لیے شدت سے لڑے گا۔[13]

قبل از اسلام محرمات کا تصور

اسلام میں جن رشتوں سے نکاح حرام قرار دیا گیا ہے، ان رشتوں کا آپس میں نکاح دور جاہلیت میں بھی حرام تھا البتہ اسلام نے نکاح کے معاملے میں تین رشتوں میں جاہلیت سے اختلاف کیا۔ ان میں باپ کی بیوی، دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنا اور متبنیٰ کی بیوی شامل ہیں۔دور جاہلیت میں باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز سمجھا جاتا تھا۔[14]

ظہور اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں دو بہنوں کو نکاح میں اکٹھا کرنا مروج تھا۔ دور جاہلیت میں ان دونوں کے وجود کی دلیل سنن ابو داود میں فیروز رضی اللہ عنہ کی روایت سے ملتی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ:

> "اے اللہ کے رسول! میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"ان دونوں میں سے جس کو چاہو طلاق دے دو۔"[15]

تیسرا اختلاف یہ ہے کہ جاہلیت میں متبنیٰ کو حقیقی بیٹے کی حیثیت حاصل تھی۔اس کا نتیجہ تھا کہ اہل جاہلیت حقیقی بیٹے کی منکوحہ کی طرح متبنیٰ کی منکوحہ سے نکاح حرام سمجھتے تھے۔ایسے اثرات دل و دماغ سے مٹانے کی خاطر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا نکاح زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے کرا دیا جو آپ ﷺ کے متبنیٰ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھی۔

"پھر جب زید نے اس سے تعلق ختم کر لیا تو ہم نے اسے تمہاری زوجیت میں دے دیا تاکہ مؤمنوں پر ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں جب وہ بیٹے ان سے اپنا تعلق ختم کر لیں کچھ تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا۔"[16]

زمانہ جاہلیت میں طلاق کے طریقے

زمانہ جاہلیت میں عربوں کے ہاں نکاح کی طرح طلاق کی بھی مختلف صورتیں تھیں۔ عام طور پر اسلام سے پہلے عرب معاشرے میں لفظِ طلاق کے ذریعے ازدواجی تعلق کو ختم کیا جاتا تھا۔ عرب میں عام طور پر تین طریقوں سے طلاق دینے کا رواج تھا۔ جیسا کہ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب معرفۃ السنن والآثار میں امام شافعیؒ سے سنداً نقل کیا ہے کہ:

"میں نے قرآن کے اہلِ علم لوگوں سے سنا ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگ تین طریقوں سے طلاق دیا کرتے تھے۔ ظہار، ایلاء، طلاق (لفظِ صریح یا کنایہ)۔"[17]

مذکورہ بالا ترتیب سے عہدِ جاہلیت میں مروجہ طلاق کی صورتوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

ظہار

امام طبریؒ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت نقل فرماتے ہیں کہ "جاہلیت کے زمانے میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کہتا کہ انت علی کظھر امی (تو میرے لیے میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے۔) تو اس سے بیوی اپنے شوہر کے لیے حرام ہو جاتی اور نکاح ختم ہو جاتا۔[18] نیز امام نظام الدینؒ فرماتے ہیں:

"جاہلیت کے زمانے میں سخت ترین طلاق کی صورت ظہار تھی اس لیے کہ اس سے نکاح کا رشتہ حرام ہو جاتا تھا۔"[19]

ایلاء

اس کا مفہوم مدت مخصوصہ تک شوہر کا اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں ایلاء سال دو سال کا بھی ہوا کرتا تھا۔ اس کی حیثیت طلاق معجل کی سی تھی۔ جیسا کہ علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں کہ:

الایلاء کان طلاقا معجلاً فی الجاھلیة فجعله الشرع طلاقاً مؤجلاً[20]

"ایلاء جاہلیت کے زمانے میں طلاقِ معجل ہوا کرتی تھی اور اسلامی شریعت نے اسے طلاقِ مؤجل کر دیا۔"

طلاق (بلفظِ صریح و کنایہ)

زمانہ جاہلیت میں طلاق کا حق صرف مردوں کو حاصل تھا۔ وہ جب چاہتے کسی سبب یا بغیر سبب کے طلاق دے دیتے تھے۔ ان کے ہاں کوئی مرد اپنی بیوی کو ایک طلاق دیتا تو لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات کا مستحق ہوتا کہ وہ اپنی مطلقہ بیوی سے رجوع کرے۔ اور اگر ایک ساتھ تین طلاق دیتا تو نکاح کا راستہ منقطع ہو جاتا ۔ لہٰذا تین طلاقوں کے بعد میاں بیوی کے درمیان مکمل جدائی سمجھی جاتی تھی۔ بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب میں ہے کہ:

"عرب زمانہ جاہلیت میں متفرق طور پر تین طلاق دیا کرتے تھے اور ان تین طلاقوں کی حد بندی حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مقرر فرمائی تھی اور پھر عربوں میں یہ رواج چل پڑا۔"[21]

قدیم عربوں میں تین طلاق کے بعد رجوع کی ممانعت پائی جاتی تھی۔ بعد میں لوگوں نے تین طلاق کے بعد رجوع کی صورت بنالی تھی جیسا کہ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام میں ہے کہ:

"یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جاہلیت کے زمانے کے لوگوں نے (تین) طلاقوں کے بعد حلال ہونے کی راہ پائی۔ اس طرح کہ تین طلاقوں کے بعد بھی اگر شوہر رجوع کرنا چاہتا تو اس کے لیے رجوع کرنا مباح تھا لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ عورت کسی اجنبی شخص سے اس شرط پر نکاح کرے کہ وہ شخص اس عورت کو طلاق دے گا۔ اس امر کے مکمل ہونے کے بعد پہلا شوہر اس مطلقہ سے نکاحِ جدید کے ساتھ لوٹ سکتا تھا۔"[22]

جاہلیت کے عرب خاندانوں میں طلاق کی تعداد کا معاملہ بعد کے ادوار میں نہایت ہی غیر اہم ہوا۔ لوگ طلاق در طلاق دیتے جاتے اور پھر رجوع پر رجوع کرتے جاتے۔ یہ رواج اسلام کے آغاز تک چلتا رہا۔ بقول حضرت عائشہؓ کہ:

"مرد اپنی زوجہ کو جتنی چاہتا طلاق دیتا اور عورت اس کی منکوحہ ہی رہتی جبکہ وہ شخص عدت کے دوران اس سے رجوع کرتا اگرچہ طلاق اور رجوع سو مرتبہ یا اس سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوتا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ سے کہا کہ اللہ کی قسم میں تجھے نہ مکمل طلاق دے کر چھوڑوں گا اور نہ ہی رکھوں گا۔ عورت نے پوچھا وہ کیسے؟ خاوند نے کہا کہ میں طلاق دیتا رہوں گا اور عدت کے ختم ہونے کے قریب رجوع

کرتا رہوں گا۔ عورت یہ معاملہ حضرت عائشہؓ کے پاس لائی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ ﷺ نے سکوت اختیار فرمایا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی طلاق دو مرتبہ ہے۔"[23]

طلاق کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ

الفاظِ صریح کے ساتھ اہلِ عرب نے ایسے الفاظ متعین کر لیے تھے کہ جن سے طلاق کا واقع ہونا سمجھا جاتا تھا۔ طلاق دینے کے لیے لفظِ طلاق کی بجائے الفاظِ کنایہ استعمال کیے جاتے تھے۔ اس کی مثال بعد از اسلام بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ:

"ایک شخص نے اپنی زوجہ سے کہا" حبلک علی غاربک "اور اس طرح بار بار کہا۔ لہٰذا وہ شخص حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آیا تو آپؓ نے حجر اسود اور مقام ابراہیمؑ کے درمیان کھڑے ہو کر اس سے قسم لی کہ بتاؤ تم نے اپنے قول "حبلک علی غاربک" سے کیا مراد لی ہے؟۔ تو اس نے کہا کہ میں نے طلاق کا ارادہ کیا۔ تو حضرت عمرؓ نے ان دونوں میں جدائی فرمادی۔"[24]

ڈاکٹر جواد علی نے جن کنایہ الفاظ کا تذکرہ کیا ہے ان میں "اخترت الظباء علی البقر" (میں نے ہرن کو اختیار کر لیا گائیں پر) دوسرا "فارقتک" (تجھ سے فرقت اختیار کر لی) اور تیسرا "سرحتک" (تجھے چھوڑ دیا) وغیرہ ہیں۔[25]

خلع

عرب میں طلاق دینے کا حق اصلاً تو مردوں کو ہی حاصل تھا لیکن زوجہ نکاح کے بندھن سے خلاصی کے لیے اپنے خاوند کو پیش کش کر سکتی تھی کہ مہر کی واپسی یا مال کے بدلے خاوند اس کو طلاق دیدے۔ ایسے مطالبے کے ذریعہ طلاق کے حصول کو "خلع" کہا جاتا تھا۔ عرب عہدِ قدیم کی خلع کے بارے میں ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں کہ:

"عہد جاہلیت میں عورت کو طلاق کا حق نہ تھا، لیکن عورت اپنے خاوند کو اپنے گھر والوں یا ولی یا کسی اور ذریعہ سے پیش کش کرتی کہ وہ اس عورت کو طلاق دے اور عورت طلاق کے بدلے میں مال یا کوئی اور چیز دے گی، پس اگر خاوند مان جاتا تو طلاق دیتا، اس قسم کی طلاق کو "خلع" کہا جاتا تھا۔"[26]

عہدِ جاہلیت میں طلاق کی وجوہات

زمانہ جاہلیت میں عرب کے بڑے خاندانوں میں عورتوں کو حقیر اور دامادی رشتوں کو عار سمجھا جاتا تھا۔ تقریباً تمام معاشروں میں چند مخصوص حالات کے علاوہ، طلاق کی وجوہات تقریباً ایک جیسی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر زوجین میں ذہنی ہم آہنگی نہ ہونا اور مزاج کا ناموافق ہونا وغیرہ۔ لیکن جاہلیت کے زمانے میں عرب لوگ عورتوں کو اذیت دینے کے لیے بھی طلاق دیا کرتے تھے اور اس کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ طلاق کے بعد عدت سے پہلے رجوع کر کے پھر طلاق دیتے اور یہ سلسلہ جاری رہتا تاکہ عورت کم تر ظاہر ہو اور عورت پر مرد اپنی حاکمیت مسلط رکھے۔[27]

جاہلیت کے زمانے میں عربوں کے ہاں طلاق کی دوسری بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ بغیر کسی وجہ کے طلاق دینے کو وہ گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ لہٰذا عرب عورت کو بانجھ ہونے یا فقط بیٹیاں جننے، عصبیت، خاندانی دشمنی وغیرہ جیسے معاملوں میں بے دریغ طلاق دے دیتے تھے۔[28] زمانہ جاہلیت میں عربوں کے خاندانی اختلافات اور تبدیلی مذہب بھی طلاق کی عمومی وجوہات میں شامل ایک وجہ تھی۔ جیسا کہ "رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیوں کو ابولہب کے کہنے پر اس کے دو بیٹوں نے طلاق دی۔"[29] چوں کہ عہدِ جاہلیت میں عربوں میں انسانی حقوق اور خاص کر عورتوں کے حقوق کا کوئی خاص تصور نہیں ہوا کرتا تھا لہٰذا طلاق کے لیے کسی سبب کا ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا اور بے وجہ بھی طلاق دینے کو معاشرتی طور پر عیب نہ جانا جاتا تھا۔[30]

مطلقہ کی عدت اور خاندانی سلوک

کسی بھی معاشرے میں خاندانی نظام کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے متمدن معاشروں میں اعلیٰ سطح پر خاندانی قوانین مرتب کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح زمانہ جاہلیت میں بھی عربی معاشرے میں مروجہ خاندانی نظام میں مطلقہ عورت کے لیے کچھ امور وضع کیے گئے تھے جن کی رو سے مطلقہ کے لیے عدت مقرر نہیں کی گئی تھی۔ جیسا کہ امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں اسماء بنت یزیدؓ کی روایت نقل فرمائی ہے جس میں مذکور ہے کہ:

"مطلقہ عورت کے لیے کوئی عدت نہیں ہوا کرتی تھی۔"[31]

اور اس ضمن میں ڈاکٹر جواد علی کی تحقیق کے مطابق:

"بعد از طلاق، مطلقہ سے فوراً نکاح کر لیا جاتا اگرچہ وہ پہلے شوہر سے حاملہ ہی کیوں نہ ہوتی۔ حمل ہونے کی صورت میں بچہ زوجِ ثانی کا شمار ہوتا اور شوہر کے موت کی صورت میں عورت پر ایک سال کی عدت ہوتی۔ مطلقہ کے لیے نان نفقہ اور رہائش

طلب کرنے کا حق طلاق دینے والے پر نہ تھا۔"[32]

تعدد ازدواج اور مشرکین عرب

زمانہ جاہلیت میں عربوں کی بیویوں کی کوئی تعداد متعین نہ تھی۔ بلکہ زمانہ جاہلیت میں مرد جتنی بیویاں چاہتے رکھ سکتے تھے۔ مختلف عوامل کے ذریعے لوگوں کو ایسا کرنے کی ترغیب دی جاتی تھی۔ عرب ایک سے زائد شادیاں کرتے تھے اور اس کے ذریعے اپنی بڑائی کا اظہار کرتے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف میں حضرت نوفل بن معاویہ کا بیان ہے کہ:

"میں نے اسلام قبول کیا تو اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں۔ میں نے نبی ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک کو چھوڑ دو اور چار رکھ لو۔" میں نے ان میں سے اپنی سب سے پہلی بیوی کو جو بانجھ تھی اور ساٹھ سال سے میری رفیقہ حیات تھی خود سے جدا کر دیا۔"[33]

سسرالیوں سے تعلقات

عرب کا یہ قانون تھا کہ وہ رشتہ مصاہرت کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے۔ مختلف قبائل کے درمیان دامادی کے رشتے کو عرب قربت کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں داماد سے جنگ لڑنا اور محاذ آرائی کرنا بڑے شرم اور عار کی بات سمجھی جاتی تھی۔[34]

زمانۂ جاہلیت میں قانون وراثت

وراثت صرف مردوں کا حق تھا۔ عورتیں، بچے، لونڈیاں اور لڑکیاں اس سے محروم تھیں۔ ان کی بنیاد یہ تھی کہ آدمی اپنے والد سے میراث نہیں پاتا سوائے اس کے جو لڑنے پر قادر ہو۔ وہ ہتھیار اُٹھاتے ہیں۔ قبیلوں کا دفاع کرتے ہیں۔ مردوں کو عورتوں سے وراثت حاصل کرنے کا حق تھا۔ جو شخص اپنے پیچھے بیٹیاں چھوڑ کر مرتا تھا اور اس کی کوئی اولاد ذکور نہ ہوتی تو اس کے بھائی اس کے وارث ہوتے تھے۔ اس کی بیٹیاں اس کی میراث سے محروم رہتی تھیں۔ عورتوں کو وراثت سے محروم کرنا تمام قبائل میں عام نہیں تھا بلکہ بعض ان کو حق وراثت دیتے بھی تھے۔[35]

زمانۂ جاہلیت میں عورت کو حق ملکیت حاصل نہ تھا۔ عورت وارثت کی حق دار نہ تھی۔ اس معاشرے میں صرف اسی پر اکتفاء نہ کیا گیا بلکہ وہ عورت کو بھی وراثت میں سامان کی طرح بانٹ دیتے تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ:

كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُه أَحَقَّ بِامْرَأَتِه إِنْ شَاءَ بَعْضُهُم تَزَوَّجَهَا وَإِنْ شَاءُوا زَوَّجُوهَا وَإِنْ شَاءُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا فَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا[36]

"(دور جاہلیت میں) جب کوئی آدمی مر جاتا تو اس کے رشتہ دار اس کی بیوی کے حق دار خیال کیے جاتے۔ ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا۔ یا اپنی مرضی کے مطابق کسی دوسری جگہ اس کا نکاح کر دیتا۔ چاہتے تو بغیر شادی کے اسے پڑا رہنے دیتے۔ یعنی عورت کے گھر والوں کی نسبت میت والے اس کے زیادہ حق دار خیال کیے جاتے تھے۔"

یہ تو زمانۂ جاہلیت کی عورت کا حال تھا۔ وہاں صرف چند عورتیں ہی ایسی تھیں جنہیں حق ملکیت ملا اور وہ جائیداد کی مالک تھیں۔ حضور اکرم ﷺ کی زوجۂ مطہرہ حضرت خدیجہ انہی میں سے ایک تھیں۔ یہ اپنی تجارت کی بھی مالک تھیں۔ لیکن ایسے واقعات آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ مجموعی طور پر اس معاشرے میں عورت کی حالت خراب تھی۔

مرد وخواتین کی ذمہ داریاں

اس بات سے کوئی انکار نہیں کہ اسلام سے پہلے کے خاندان میں مرد کا ایک بہترین مقام تھا کیوں کہ وہ خاندان کی بنیاد اور سربراہ ہوتا تھا۔ وہ خاندان کی بقا، اس کے ذریعہ معاش اور اس کے مختلف امور کا ذمہ دار تھا۔ اس کا دفاع کرنے والا جنگجو، ایک بدلہ لینے کے لیے بہادر اور جرمانے کا مطالبہ کرنے والا تھا۔ عورت اس کی ماتحت، اس سے منسوب، اس کی حفاظت اور ذمہ داری کے تحت تھی۔ تاہم اس نے مرد کی بہت سی ذمہ داریوں کو بانٹ لیا۔ اگرچہ وہ جنگوں کے دوران ایک آدمی کی
طرح گانا نہیں گاتی تھی اور اسلام سے پہلے کے معاشرے میں جنگیں زندگی کی بنیاد تھیں۔ اس لیے اس کی حیثیت اس کے مرتبے سے کم تھی۔ وہ اس کی بہترین ساتھی اور بہترین مددگار تھی۔ اس کے علاوہ عقب میں موجود خواتین بیماروں کی دیکھ بھال کرتیں۔ زخمیوں کے زخموں پر پٹی باندھتیں اور جنگجوؤں کی حوصلہ افزائی کرتیں۔ اس نے بچوں کے لیے ماں اور آیا کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں نبھائیں۔ وہ اس کے اعزاز میں اسے گھریلو خاتون کہتے تھے۔ قدیم روایتوں میں عورتیں مردوں کی طرح قیاس اور قیاس آرائیاں کرتی تھیں اور مرد اس کی رائے کا سہارا لیتے تھے۔[37]

اولاد کی اہمیت اور پرورش

قبل از اسلام لڑکوں کو ایک قیمتی سرمایہ اور جنگی قوت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ وہ لوگ لڑکوں کو لڑکیوں پر ترجیح دیتے تھے۔ اور بہت سے عوامل نے انہیں ایسا کرنے پر اکسایا۔ لڑکے مستقبل میں جنگجو بنیں گے اور قبیلہ اپنے

مال کے دفاع اور پیسہ کمانے کے لیے ان پر انحصار کرے گا جبکہ لڑکیاں ایک بھاری بوجھ تھیں جن کی حفاظت کی ضرورت تھی یا وہ اپنے قبیلے کو شرمندہ کر سکتی تھیں۔ ان میں کچھ تو ایسے بھی تھے جو کہتے تھے:

انما أولادنا بيننا أكبادنا تمشي على الأرض[38]

"ہماری اولاد ہمارے کلیجے ہیں جو روئے زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔"

شیر خوار بچوں کا قتل عام بعض مالی اور سماجی طور پر بگڑنے والے حلقوں تک محدود تھا۔ خاص طور پر خشک سالی اور قحط کے برسوں میں اور بنجر صحراؤں میں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ بعض طبقوں تک محدود تھی۔ بنو تمیم جیسے بے رحم اور بنو اسد جیسے بگڑے ہوئے قبائل میں اس کا رواج عام تھا۔ ایسے قتل باپ کی غربت اور بچوں کی کثرت یا پھر اپنے کمزور حرم کا دفاع نہ کر سکنے کے خوف کی وجہ سے سرزد ہوتے تھے۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اس برے رواج کو روکا جیسا کہ شائستہ لوگوں کی طرف سے ان لوگوں کو ایسے بچوں کو گود لینے پر آمادہ کرنا جن کے اپنے بچے نہیں تھے۔ انہیں ان کے اپنے بچوں کی طرح کے حقوق دینا اور معاشرے کو بچوں کے قتل کے رواج سے بچانا۔ اس دور میں چند ایک ایسے اہل ترس انسان بھی تھے جو بچیوں کو قتل ہونے سے بچانے کے لیے ان کے والدین سے خرید لیتے۔ پھر ان کی خود پرورش کرتے تھے۔ بعد از اسلام انہوں نے مشرکین عرب کی اس خصلت بد کو بیان کیا۔ جیسا کہ مستدرک حاکم میں ہے کہ:

"حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے حضرت زید بن عمرو بن نفیل کو دیکھا کہ وہ کعبۃ اللہ کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھے کہہ رہے تھے "اے گروہ قریش! آج تمہارے اندر میرے سوا کوئی بھی دین ابراہیمی پر قائم نہیں ہے۔ آپ زندہ در گور کی گئی بچیوں کو بچانے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ جب کوئی شخص اپنی نومولود بچی کو زندہ دفن کرنے کا ارادہ کرتا تو آپ فرماتے: تو اس کو قتل مت کر۔ اس لڑکی کے معاملہ میں، میں تیری معاونت کروں گا۔ پھر وہ اس لڑکی کو اپنی کفالت میں لے لیتے۔ جب وہ 7، 8 برس کی ہو جاتی تو آپ اس کے باپ کو کہتے: اگر تم چاہو تو میں اس کو تمہارے سپرد کر دیتا ہوں۔ نہیں تو میں اس کی ذمہ داری جاری رکھتا ہوں۔"[39]

بچوں کا عقیقہ اور رضاعت

اہل عرب پیدائش سے ساتویں دن بچوں کا عقیقہ کرتے تھے۔ قریبی رشتے داروں کو اس میں مدعو کیا جاتا تھا۔ بچے کا نام رکھا جاتا اور اس کا ختنہ کیا جاتا تھا۔[40]

قریش اور عرب کے دیگر شہروں میں بسنے والے ممتاز قبائل اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لیے دائیوں کے سپرد کرتے تھے۔ رضاعت کے مقاصد میں ایک تو مردوں کی خدمت کے لیے خواتین کی فراغت حاصل کرنا ہوتا تھا۔ دوسرا شہری بیماریوں سے بچوں کو بچا کر انھیں صحرائی ماحول مہیا کرنا تھا تاکہ وہ عربی زبان کی فصاحت پر مہارت حاصل کرسکیں اور ان کا جسم تندرست و توانا ہو جائے۔[41]

تجہیز و تکفین کی رسومات

اسلام سے پہلے میت کی آخری رسومات کا کوئی باقاعدہ رواج نہیں تھا۔ آخری رسومات کے لیے اہل میت نوحہ کناں ہوتے تھے۔ جنازہ تابوت[42] کی شکل میں اٹھاتے تھے۔ تدفین کے بعد اہل عرب ایک اونٹنی کو قبر پر باندھ دیتے تھے جو بھوکی پیاسی قبر پر تڑپ تڑپ کر مر جاتی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ روز حشر مردہ اس اونٹنی پر سوار کر کے اٹھایا جائے گا ۔جو ایسا نہیں کرتے وہ پیادہ اٹھائے جائیں گے۔ یہ ان لوگوں کا مؤقف تھا جو مر کر جی اٹھنے کا یقین رکھتے تھے۔[43]

بیوہ کی عدت اور خاندانی سلوک

زمانہ اسلام سے قبل جو عورت بیوہ ہو جاتی تو اسے ایک سال کی عدت گزارنا پڑتی تھی۔ اسے نہایت منحوس سمجھا جاتا تھا۔ ایک سال تک اسے غسل اور منہ ہاتھ دھونے کے لئے پانی تک نہ دیا جاتا تھا اور نہ ہی پہننے کے لئے لباس فراہم کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے:

كانت المراة إذا توفي عنها زوجها دخلت حفشا، ولبست شر ثيابها،ولم تمس طيبا ولا شيئا، حتى تمر بها سنة، ثم تؤتى بدابة حمار او شاة او طير فتفتض به، فقلما تفتض بشيء إلا مات، ثم تخرج، فتعطى بعرة، فترمي بها، ثم تراجع بعد ما شاءت من طيب او غيره[44]

"(جاہلیت میں) جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تھا تو وہ ایک (دڑبہ نما) انتہائی تنگ جھونپڑی میں چلی جاتی۔ اپنے بدترین کپڑے پہن لیتی اور کوئی خوشبو وغیرہ استعمال نہ کرتی۔ حتیٰ کہ (اسی حالت میں) سال گزر جاتا۔ پھر اس کے پاس کوئی جانور گدھا، بکری یا کوئی پرندہ لایا جاتا تو وہ اسے اپنی شرمگاہ سے ملتی۔ کم ہی ہوتا کہ وہ کسی کو ملتی تو وہ زندہ رہتا (سخت تعفن اور جراثیم وغیرہ کی بنا پر بیمار ہو کر مر جاتا)۔ پھر وہ باہر نکلتی تو اسے ایک مینگنی دی جاتی جسے وہ (اپنے آگے یا پیچھے) پھینکتی۔ پھر اس کے بعد خوشبو وغیرہ جو وہ چاہتی استعمال کرتی۔"

دور جاہلیت میں جس عورت کا خاوند فوت ہو جاتا وہ ایک سال تک عدت گزارتی اور انتہائی بد ترین طریقے سے زندگی کے یہ دن پورے کرتی جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔

خلاصہ بحث

حاصل یہ کہ اجتماعی حالت ضُعف و بے بصیرتی کی پستی میں گری ہوئی تھی۔ خاندانوں کے باہمی تعلقات کمزور بلکہ ٹوٹے ہوئے تھے۔ جہل اپنی طنابیں تانے ہوئے تھا اور خرافات کا دور دورہ تھا۔ لوگ جانوروں جیسی زندگی گزار رہے تھے۔ عورت بیچی اور خریدی جاتی تھی اور بعض اوقات اس سے مٹی اور پتھر جیسا سلوک کیا جاتا تھا۔ مطلقہ عورت کے پاس معاشی اور معاشرتی تحفظ کے لیے جو صورتیں تھیں ان میں ایک یہ کہ خاوند رجوع کر لے اور سابقہ نکاح برقرار رہے۔ دوم یہ کہ اگر رجوع نہیں کرتا تو مطلقہ عورت کے گھر والے کسی اور شخص سے اس کا نکاح کرا دیتے اور وہ عورت اپنی زندگی بسر کرتی تھی۔ اگر اس کے برادری والے شادی نہ کراتے تو تمام عمر بغیر نکاح کے اپنے بھائیوں یا ان کی اولاد کی خادمہ بن کر زندگی گزارنا پڑتی تھی۔ طلاق کے بعد عورت کی فرقت سے اولاد، والدہ کی مشفقانہ تربیت سے محروم ہو کر سخت دل ہو جاتے جس کا اثر جاہلیت کے زمانے میں معمولی باتوں پر کئی سالوں تک جنگوں، ظلم و زیادتی اور باہمی حق تلفی جیسے معاشرتی بگاڑ کی صورت میں ظاہر ہوا۔

حواشی و حوالہ جات

1- ترمذی، محمد بن عیسیٰؒ، ابو عیسیٰ، امام، جامع ترمذی شریف، مترجم: مولانا ناظم الدین، مکتبۃ العلم، لاہور، س۔ن، 2/66
2- البخاری، محمد بن اسماعیل، الامام، صحیح البخاری، دار ابن کثیر، بیروت، 1423ھ–2001ء، ص:1307
3- توفیق برو، الدکتور، تاریخ العرب القدیم، دار الفکر، دمشق، 1417ھ، ص:265
4- ایضاً
5- توفیق برو، الدکتور، تاریخ العرب القدیم، ص:264
6- ایضاً
7- ایضاً
8- ایضاً، ص:264–265
9- ابن خلدون، عبد الرحمٰن، علامہ، تاریخ ابن خلدون، مترجم: حکیم احمد حسین الہ آبادی، نفیس اکیڈمی، کراچی، 2003ء، 1/37
10- ابن اثیر، عز الدین ابی الحسن علی بن محمد الجزری، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، مترجم: مولانا عبد الشکور فاروقی لکھنویؒ، المیزان ناشران و تاجران کتب، لاہور، 2006ء، 1/69

11- ابن کثیر، عماد الدین ابو الفداء اسماعیلؒ، تفسیر ابن کثیر، مترجم: مولانا محمد جونا گڑھی، حسن القرآن پبلشرز، کراچی، س۔ن، 528/1

12- محمد بن سعدؒ کاتب الواقدی، طبقات الکبیر، مترجم: مولانا عبداللہ العمادی، دارالطبع جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن، 1944ء، 95/1

13- توفیق برو، الدکتور، تاریخ العرب القدیم، ص:268

14- ایضاً، ص:265

15- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانیؒ، سنن ابو داود شریف، مترجم: مولانا خورشید حسن قاسمی، مکتبۃ العلم، لاہور، س۔ن، 2/ 203

16- الاحزاب 37:33

17- بیہقی، احمد بن حسن، ابی بکر، معرفۃ السنن والآثار، دار الوفاء، قاھرہ، 1411ھ، 11/ 113۔

18- طبری، محمد بن جریر، لابی جعفر، تفسیر الطبری جامع البیان عن تاویل القرآن، مرکز البحوث والدراسات العربیۃ والاسلامیۃ بدار ھجر، قاھرہ، 1422ھ، 22/ 446۔

19- نیشابوری، نظام الدین حسن بن محمد بن حسین القمی، العلامہ، غرائب القرآن ورغائب الفرقان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1416ھ، 6/ 267۔

20- کاسانی، علاء الدین، ابی بکر بن مسعود، الامام، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، 1424ھ، 4/ 380۔

21- آلوسی، السید محمود شکری، البغدادی، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، المطبعۃ الرحمانیۃ، مصر، 1924ء، 2/ 49۔

22- جواد علی، الدکتور، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، ساعدت جامعۃ بغداد علی نشرہ، 1993ء، 5/ 549 تا 550۔

23- السیوطی، عبد الرحمن بن الکمال جلال الدین، الامام، تفسیر الدر المنثور فی تفسیر الماثور، دار الفکر، بیروت، 2011ء، 1/ 663۔

24- سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی، الامام، کتاب السنن، الدار السلفیۃ، ممبئی، 1982ء، القسم الاول من المجلد الثالث، ص: 319۔

25- جواد علی، "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام"، 5/ 546۔

26- جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، 5/ 552۔

27- آلوسی، السید محمود شکری، البغدادی، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب، 2/ 55۔

28- جواد علی، "المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام"، 5/ 554۔

29- محمد عاشق الٰہیؒ مہاجر مدنی، مولانا مفتی، انوار البیان فی کشف اسرار القرآن، مکتبہ امداد العلوم، ملتان، س۔ن، 6/ 499۔

30- توفیق برو، الدکتور، تاریخ العرب القدیم، 265

31- ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، ''سنن ابی داؤد''، دار الفکر، بیروت، 1/694۔

32- جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، 5/556۔

33- ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب العمری، امام، مشکوٰۃ شریف مترجم: مولانا عبدالعلیم علوی، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س۔ن، 2/80

34- مبارکپوری، صفی الرحمٰن، مولانا، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، 1995ء، ص:638

35- توفیق برو، الدکتور، تاریخ العرب القدیم، 270

36- بخاری، محمد بن اسماعیلؒ، ابوعبداللہ، امام، صحیح بخاری شریف، 2/70

37- توفیق برو، الدکتور، تاریخ العرب القدیم، 266–268

38- احمد بن محمد بن عبدربہ الاندلسی، الفقیہ، العقد الفرید، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، 1983ء، 2/274

39- امام حاکم، محمد بن عبداللہ، ابی عبداللہ، حافظ، المستدرک علی الصحیحین، مترجم: حافظ ابوالفضل محمد شفیق الرحمٰن قادری رضوی، شبیر برادرز، لاہور، مئی 5، 2013/122۔

40- ابن کثیر، ابوالفداء عمادالدین اسماعیل، حافظ، تاریخ ابن کثیر، مترجم: کوکب شادانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، جون 1987ء، 2/166

41- عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی، امام، شرح سیرت ابن ہشام ترجمہ روض انف، مترجم: علامہ ملک محمد بوستان وغیرہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست 2005ء، 1/364–365

42- محمد بن سعد کاتب الواقدی، طبقات الکبیر، مترجم: مولانا عبداللہ العمادی، 1/171

43- عبدالرحمٰن بن عبداللہ سہیلی، امام، شرح سیرت ابن ہشام ترجمہ روض انف، مترجم: علامہ ملک محمد بوستان وغیرہ، 1/318

44- نیشاپوری، مسلم بن حجاج قشیری، ابوالحسن، امام، صحیح مسلم شریف، مترجم: پروفیسر محمد یحییٰ سلطان محمود جلال پوری، دارالعلم، ممبئی، جنوری 2015ء، 3/190۔